اَمانت داری

خرّم مراد

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ

وَعَنْ حُذَیْفَةَ بْنِ الْیَمَانِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: حَدَّثَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ حَدِیْثَیْنِ قَدْ رَاَیْتُ اَحَدَهُمَا وَاَنْتَظِرُ الْاٰخَرَ: حَدَّثَنَا اَنَّ الْاَمَانَةَ نَزَلَتْ فِیْ جَذْرِ قُلُوْبِ الرِّجَالِ ثُمَّ نَزَلَ الْقُرْآنُ فَعَلِمُوْا مِنَ الْقُرْاٰنِ وَعَلِمُوْا مِنَ السُّنَّةِ ثُمَّ حَدَّثَنَا عَنْ رَفْعِ الْاَمَانَةِ فَقَالَ: یَنَامُ الرَّجُلُ النَّوْمَةَ فَتُقْبَضُ الْاَمَانَةُ مِنْ قَلْبِهٖ فَیَظَلُّ اَثَرُهَا مِثْلَ الْوَکْتِ ثُمَّ یَنَامُ النَّوْمَةَ فَتُقْبَضُ الْاَمَانَةُ مِنْ قَلْبِهٖ فَیَظَلُّ اَثَرُهَا مِثْلَ اَثَرِ الْمَجْلِ کَجَمْرٍ دَحْرَجْتَهٗ عَلٰی رِجْلِکَ فَنَفِطَ فَتَرَاهُ مُنْتَبِرًا وَّلَیْسَ فِیْهِ شَیْئٌ ثُمَّ اَخَذَ حَصَاةً فَدَحْرَجَهَا عَلٰی رِجْلِهٖ "فَیُصْبِحُ النَّاسُ یَتَبَایَعُوْنَ فَلَا یَکَادُ اَحَدٌ یُّؤَدِّی الْاَمَانَةَ حَتّٰی یُقَالَ اِنَّ فِیْ بَنِیْ فُلَانٍ رَجُلاً اَمِیْناً. حَتّٰی یُقَالَ لِلرَّجُلِ مَا اَجْلَدَهٗ مَا اَظْرَفَهٗ مَا اَعْقَلَهٗ وَمَا فِیْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ مِّنْ اِیْمَانٍ وَلَقَدْ اَتٰی عَلَیَّ زَمَانٌ وَّمَا اُبَالِیْ اَیُّکُمْ بَایَعْتُ: لَئِنْ کَانَ مُسْلِمًا لَیَرُدَّنَّهٗ عَلٰی دِیْنِهٖ. وَلَئِنْ کَانَ نَصْرَانِیًّا اَوْیَهُوْدِیًّا لَیَرُدَّنَّهٗ عَلٰی سَاعِیْهِ وَاَمَّا الْیَوْمَ فَمَا کُنْتُ اُبَایِعُ مِنْکُمْ اِلَّا فُلَانًا وَفُلَانًا"

(متفق علیہ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی میں بعض بری صفات سے بچنے کی سخت تاکید فرمائی ہے۔ان میں سے بعض کو ایسے حرام قرار دیا ہے جیسے کھانے پینے اور معاملات میں بعض چیزیں حرام ہیں، مثلاً تکبر(اپنے آپ کو بڑا سمجھنا)، تحقیر(دوسروں کو اپنے سے کم تر سمجھنا)۔ اس سے آپؐ نے منع فرمایا اور اس کے مقابلے میں تواضع اختیار کرنے کی تعلیم دی۔اسی طرح دشمنی اور غصہ سے آپؐ نے روکا ہے اور لوگوں کے ساتھ خوش دلی اور فراخ دلی کے ساتھ معاملہ کرنے، معاف کرنے اور ان کے ساتھ محبت کرنے جیسی باتوں کی تاکید فرمائی ہے۔ پھر آپؐ نے زبان کے حوالے سے، جو بے شمار برائیوں کی جڑ ہے اور بے شمار بھلائیوں کی طرف بھی لے جاتی ہے، تاکید فرمائی ہے کہ اپنی زبان کی حفاظت کرو۔ فرمایا کہ جہنم میں زیادہ تر لوگ اسی فصل کے ذریعے جائیں گے جو انھوں نے زبان کے ذریعے بوئی ہے۔ غیبت دوسروں کا مذاق اڑانا، ذلیل کرنا، برا بھلا کہنا اور جھوٹ بولنا، ان سب سے آپؐ نے منع فرمایا ہے اور سچائی کا راستہ اختیار کرنے، مسلمانوں کے عیوب کی پردہ پوشی کرنے اور جہاں مسلمانوں کی بے عزتی ہو رہی ہو، وہاں ان کی حفاظت کرنے اور زبان کو بھلائی کی باتوں کے لیے کھولنے کی تلقین فرمائی ہے۔

مسلمانوں (انسانوں) کے درمیان بلکہ مسلمانوں (انسانوں) اور خدا کے

درمیان بھی معاملات کو صحیح رخ پر رکھنا بہت اہم ہے۔ اس میں ایک صفت امانت ہے۔ امانت کا لفظ ہماری زبان میں معروف ہے اور ہم اس کا ترجمہ امانت داری بھی کرتے ہیں اور ایمان داری بھی۔اس کی معنی یہ ہیں کہ جولین دین ہو، جو ذمہ داری سونپی جائے، جو دوسروں سے معاہدے کیے ہوں، جو حقوق ہم پر عائد ہوتے ہوں، ان سب میں ہم خیانت کے بجائے، امانت کی اور ایمان داری کی روش اختیار کریں۔ اسی بارے میں یہ حدیث ہے جو حضرت حذیفہؓ ابن یمان سے مروی ہے۔حضرت حذیفہؓ نبی کریمؐ کے بڑے اعلیٰ پائے کے صحابہ کرامؓ میں سے تھے۔حضورؐ نے ان منافقین کے نام حضرت حذیفہؓ کو بتائے تھے جو مدینہ میں رہتے تھے اور لوگوں پر ظاہر نہیں تھے۔فرماتے ہیں کہ:

قَالَ حَدَّثَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاَيْتُ اَحَدَهُمَا وَاَنْتَظِرُ الْاٰخَرَ: حَدَّثَنَا اَنَّ الْاَمَانَةَ نَزَلَتْ فِيْ جَذْرِ قُلُوْبِ الرِّجَالِ ثُمَّ نَزَلَ الْقُرْاٰنُ فَعَلِمُوْا مِنَ الْقُرْاٰنِ وَعَلِمُوْا مِنَ السُّنَّةِ

اللہ کے رسول نے ہم سے دو باتیں بیان فرمائی ہیں۔ان میں سے ایک بات کو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔دوسری بات کا میں انتظار کر رہا ہوں۔پہلی بات یہ تھی: امانت لوگوں کے دلوں کی جڑوں میں اتاری گئی۔ پھر انھوں نے قرآن سے سیکھا، انھوں نے سنت سے سیکھا۔

پھر فرمایا: یہ امانت کس طرح اٹھالی جاتی ہے۔ یَنَامُ الرَّجُلُ النَّوْمَةَ فَتُقْبَضُ الْاَمَانَةُ مِنْ قَلْبِهٖ آدمی پھر نیند لیتا ہے اور امانت اس کے دل سے قبض کر لی جاتی ہے اور اس کا اتنا اثر رہ جاتا ہے جیسے کوئی بہت ہلکا سا دھبہ ہو۔ پھر وہ ایک نیند لیتا ہے۔ پھر اس سے امانت قبض کر لی جاتی ہے تو پھر وہ اتنی ہی باقی رہ جاتی ہے جتنا کوئی چھالا۔ جیسے آدمی کو کوئی چنگاری لگے اور چھالا پڑجائے، امانت اس چھالے کی طرف ایک داغ کی صورت میں رہتی
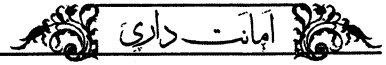
ہے۔اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی انگارہ آدمی کے پاؤں کو چھولے اور اس سے چھالا پڑ جائے۔تم بظاہر اس چھالے کو ابھرا ہوا دیکھتے ہو لیکن اس چھالے کے اندر سوائے پانی کے کچھ نہیں ہوتا۔

فَيُصْبِحُ النَّاسُ يَتَبَايَعُوْنَ فَلَا يَكَادُ اَحَدٌ يُّوَدِّي الْاَمَانَةَ پھر لوگ آپس میں لین دین کرتے ہیں۔ اور ان میں سے ایک بھی ایسا نہیں ہوتا جو امانت داری برت رہا ہو اور نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ کہا جاتا ہے اِنَّ فِيْ بَنِيْ فُلَانٍ رَجُلٌ اَمِيْنٌ فلاں قوم میں ایک امانت دار آدمی ہے، یعنی امانت داری کا چلن عام نہیں ہوتا بلکہ وہ اتنی نایاب ہو جاتی ہے کہ لوگ اس آدمی کا ذکر کرتے ہیں کہ فلاں شخص امانت دار ہے۔گویا امانت دا ر ہونا ایک قابل تعجب اور قابل ذکر چیز بن جاتی ہے۔

يُقَالُ لِلرَّجُلِ مَا اَجْلَدَهٗ مَا اَظْرَفَهٗ مَا اَعْقَلَهٗ

ایک آدمی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ بڑا عقلمند آدمی ہے اور بڑا خوشگوار آدمی ہے۔ اخلاق کا بڑااچھااور بڑا بہادر آدمی ہے۔ وَمَا فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ حَبَّةٍ حالانکہ اس کے دل میں ایک دانے کے وزن کے برابر بھی ایمان داری نہیں ہوتی۔

حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں، نبی کریمؐ کے ارشاد کے بعد:

وَلَقَدْ اَتٰى عَلَيَّ زَمَانٌ وَّمَا اُبَالِيْ اَيُّكُمْ بَايَعْتُ ایک زمانہ مجھ پر ایسا بھی رہا ہے کہ مجھے اس بات کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی تھی کہ میں تم میں سے کس کے ساتھ لین دین کروں لَئِنْ كَانَ مُسْلِمًا لَيَرُدَّنَّهٗ عَلٰى دِيْنِهٖ۔اگر مسلمان ہوتا تھا تو اس کا اسلام اس بات کے لیے کافی ضمانت ہوتا تھا کہ اس پر آدمی انحصا کر لے کہ یہ آدمی امانتدار ہے، اس سے بلا کھٹکے معاملہ طے کیا جاسکتا ہے وَاِنْ كَانَ نَصْرَانِيًّا لَيَرُدَّنَّهٗ عَلٰى سَاعِيْهِ. اور اگر وہ غیر مسلم، یعنی عیسائی ہوتا تھا تو پھر بھروسہ حکومت پر کیا جاسکتا تھا کہ وہ انصاف کا معاملہ کریں گے۔ آج تو
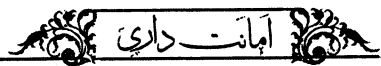
معاملہ یہ ہے، فَمَا كُنْتُ اُبَايِعُ اِلَّا فُلَا نًا و فُلَا نًا کہ میں اس آدمی کے ساتھ نامزد کر کے کہہ سکتا ہوں کہ میرا ان سے لین دین کا معاملہ ہے۔ ان کے علاوہ کسی اور کے ساتھ میں لین دین کا معاملہ نہیں کرسکتا۔ حضرت حذیفہؓ کا زمانہ عہد نبوت سے ۳۰،۳۵سال بعد کا زمانہ ہے۔

یہ حدیث امانت کے موضوع پر ہے اور امانت کے موضوع پر قرآن و حدیث میں بے شمار تعلیمات آئی ہیں۔ حضرت انس بن مالکؓ کی روایت ہے: قَلَّمَا خَطَبَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَّا قَالَ لَا اِيْمَانَ لِمَنْ لَّا اَمَانَةَ لَهُ وَلَا دِيْنَ لِمَنْ لَّا عَهْدَ لَه۔ ''کم ہی ایسا ہوتا تھا کہ نبی کریمؐ نے کوئی خطبہ دیا ہو اور آپؐ نے خطبے کے اندر یہ نہ فرمایا ہو کہ جس آدمی کے پاس امانت داری نہیں ہے اس کے پاس ایمان نہیں ہے اور جس آدمی کو اپنے وعدے کا پاس نہیں ہے اس کا کوئی دین نہیں۔ جو آدمی اپنی زبان کے لحاظ نہ رکھتا ہو، وعدے کرکے پورے نہ کرتا ہو، وہ ایمان سے بھی محروم رہ جاتا ہے''۔

حضورؐ کے تقریباً ہر خطبے میں ایمان اور امانت، لازم وملزوم ہیں۔ امانت داری نہیں ہے تو ایمان نہیں ہے۔ پابندی عہد نہیں تو دین نہیں ہے۔ امانت داری کے بارے میں اس حدیث سے ایک آگا ہی ملتی ہے۔ قرآن مجید نے بھی ان دونوں چیزوں کا ذکر بار بار کیا ہے۔ مومنین کی صفات بیان کرتے ہوئے کہا ہے: وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ﴿۸﴾ (المومنون۲۳: ۸) یہ وہ مومن ہیں جو اپنی امانتوں پر اور اپنے عہد اور وعدے پر نگرانی کرتے ہیں۔ اپنی امانت کا لحاظ رکھتے ہیں، اس کو پورا کرتے ہیں۔ اپنی زبان کا پاس کرتے ہیں۔ یہی فلاح پانے والے ہیں۔ سورہ مومنون میں بھی اس کاذکر ہے اور سورۃالمعارج میں بھی انہی آیات کو دہرایا گیا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ امانت دراصل دین کی بنیاد ہے۔

عربی زبان میں الفاظ کچھ حروف سے بنتے ہیں۔ عربی زبان میں تین یا چار حروف کاایک مادہ ہوتا ہے اور الفاظ ان ہی تین حروف سے بنتے ہیں۔ ان

کے معنی آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ متعلق ہوتے ہیں، مثلاً علم کا لفظ ہے۔ اسی سے معلوم، علم، معلم، تعلیم وغیرہ بنتے جائیں گے۔ ایمان، امانت اور امن تینوں دراصل ایک ہی مادّے سے بنے ہیں۔ ا،م،ن ایمان اور امانت کا مادہ ہیں، یعنی ان کی جڑ ایک ہی ہے۔ اس کے معنی کسی چیز پر آدمی کا مطمئن ہو جاناہے۔ اسی سے لفظ ایمان نکلا ہے۔ ایمان کے ساتھ اگر با، بہ آئے جیسے آمنتُ بِاللّٰهِ، میں اللہ پر ایمان لایا ہوں تو اس کے معنی ہیں کہ میں اس معاہدے پر مطمئن ہوں۔ اگر ایمان کا لفظ ل کے ساتھ آئے تو پھر اس کے معنی ہوتے ہیں، کسی کی بات کو سچّا جاننا۔ نبی کی بات کو سچّا جان کے اس پر ایمان، اعتماد اور بھروسا کرنے کے بعد ہی ایمان کی کیفیت حاصل ہوتی ہے۔ امانت کا لفظ بھی اسی سے نکلا ہے۔ یہ انھی معنوں میں استعمال ہونے لگا کہ ذمہ داری کو آپ نے قبول کر لیا، اطمینان نفس کے ساتھ اس کو ادا کیا، تو یہ امانت داری ہے۔ ایمان اور امانت کا آپس میں گہرا تعلق ہے اور دونوں ایک دوسرے کے ساتھ مربوط ہیں۔

احادیث میں یہ بھی آیا ہے کہ جب امانت اٹھائی جاتی ہے تو پھر ایمان بھی اٹھا لیا جاتا ہے۔ امانت کے غائب ہونے کا طریقہ کیا ہے اور اس کہ آنے کا طریقہ کیا ہے۔ حضرت حذیفہؓ نے فرمایا کہ ایک بار تو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ کس طرح امانت دلوں میں اتاری گئی اور دوسری بات، جس کا مجھے انتظار ہے وہ یہ ہے کہ امانت کس طرح غائب ہو جائے گی۔ لوگوں کی تعریف ان کے ظاہری اعمال پر کی جائے گی کہ یہ لباس کیسا پہنتے ہیں، ان کا مکان کیسا ہے، ان کے پاس مال کتنا ہے، عقلمند کیسے ہیں، دنیا کیسے کماتے ہیں، سیاست کیسے کرتے ہیں وغیرہ لیکن یہ کہ ان کے دلوں کے اندر امانت داری تو کیا ایمان کا ذرہ برابر شائبہ بھی نہیں ہوگا۔ ایک دانے کے برابر بھی یہ چیز نہیں پائی جائے گی۔ ان کا یہ قول ہے کہ میں دوسری چیز کا منتظر ہوں، یعنی ابھی میں نے امانت داری کے رخصت ہو جانے کی یہ کیفیت نہیں دیکھی کہ

خال خال ایسے لوگ نظر آئیں جن کے ساتھ آدمی امانت داری کے ساتھ معاملہ کر سکتا ہو۔

نبی کریمؐ نے فرمایا: اَنَّ الْاَمَانَةَ نَزَلَتْ فِیْ جَذْرِ قُلُوْبِ الرِّجَالِ یعنی امانت اپنی ذمہ داری کا احساس ہے۔ یہ احساس کہ ذمہ داری کو ادا کرنا ہے، جو حق دینا ہے وہ دیا جانا چاہیے اور دوسرے کی چیز پر قبضہ کرنا صحیح نہیں ہے۔ یہ لباس نہیں ہے جو اوپر سے اوڑھ لے۔ جذر کسی چیز کی جڑ کو کہتے ہیں۔ دلوں کی جڑ میں امانت اتاری گئی ہے۔ اس میں کافر اور مومن کی بھی کوئی شرط نہیں۔ عام انسانی صفت ہے۔ جس انسان کو بھی اللہ تعالیٰ نے فطرتِ انسانی سے نوازا ہے، اس کے اندر امانت داری کا احساس پیدا کیا ہے۔ سب جانتے ہیں کہ یہ دنیا کا مشترک ورثہ ہے۔ آدمی کافر ہو یا مومن یا مشرک، یہ سب انسانوں کی مسلمہ چیز ہے۔ اسی کی طرف اشارہ ہے کہ یہ چیز آدمی کے دل اور اس کی فطرت میں اتری ہوئی ہے۔ اسلام کی پوری تعلیم اس بات پر مبنی ہے کہ اسلام کی جو بھی تعلیمات ہیں وہ کوئی باہر سے سکھائی ہوئی چیزیں نہیں ہیں، بلکہ یہ وہ چیزیں ہیں جو آدمی پہلے سے جانتا اور پہچانتا ہے۔ اسی لیے قرآن مجید نے نیکی کے لیے معروف کا لفظ استعمال کیا ہے۔ معروف کے معنی ہیں وہ چیز جو آدمی جانتا، پہنچانتا ہو، اس کے لیے اجنبی نہ ہو۔ برائی کے لیے دین نے منکر کا لفظ استعمال کیا اور منکر کے معنی وہ افعال ہیں جو آدمی کے لیے اجنبی ہوں۔ آدمی کی فطرت خود جانتی ہے کہ وعدہ پورا کرنا، سچ بولنا، امانت داری، یہ نیکیاں معاشرے کے اندر اچھی سمجھی جاتی ہیں۔ یہ اچھی صفات ہیں۔ آدمی کے دل کے اندر یہ تمام اچھائیاں ہونی چاہییں۔ یہ آدمی کے دل کے اندر پائی جاتی ہیں۔ لیکن یہ کافی نہیں ہے۔

پھر انھوں نے قرآن سے یہ سیکھا کہ امانت کیا ہوتی ہے۔ قرآن نے اس کی تفسیر و تشریح بیان کی۔ اس کو کھول کے بیان کر دیا۔ قرآن ہی نہیں، نبی کریمؐ کی سنت سے بھی لوگوں نے سیکھا۔ اس طرح امانت کی تعلیم مکمل ہو

گئی۔ امانت کے ساتھ مکمل شناسائی ہو گئی۔ لوگوں نے پہچان لیا کہ امانت کے معنی کیا ہیں اور امانت کی تعلیم کیا ہے؟ امانت کے معنی ہیں کہ جو حق آدمی پر آتا ہے، اس حق کو وہ ادا کرے اور جو چیز دوسرے کی ہو، اس کو دوسرے ہی کی سمجھے، اپنی نہ سمجھ لے۔ جو چیزیں بھی اس کے استعمال میں آئیں، ان کو ان کی حدود کے اندر استعمال کرے۔

قرآن و حدیث نے اس مضمو ن کو کھول کے بیان کیا ہے۔قرآن مجید نے امانت کو سب سے پہلے اس مفہوم میں استعمال کیا ہے کہ اللہ نے جو شریعت دی ہے وہ ایک امانت ہے۔شریعت دراصل اس بات پر قائم ہے کہ اللہ نے انسان کو عمل کی آزادی دی ہے۔ وہ چاہے تو برائی کرے، چاہے تو بھلائی کرے۔ یہ اختیار اور آزادی صرف انسان کے لیے ہے۔ چاند، سورج، درخت، پہاڑ، فرشتے، ان سب کو یہ آزادی حاصل نہیں ہے۔ یہ بہت بڑی ذمہ داری ہے۔نیکی کے معنی یہ ہیں کہ بدی کرنے کا بھی امکان ہے۔ ساری شریعت اختیار پر ہی قائم ہے۔شریعت انسان سے صرف وہی مطالبہ کرتی ہے جس کے کرنے کا اسے اختیار ہو۔ جس کا اختیار نہیں اس کے لیے وہ قابل مواخذہ نہیں ہے۔ اگر آدمی منہ سے مجبوراً کفر کا کلمہ نکالے تو کوئی گناہ نہیں۔ اگر زبردستی اس سے زنا بھی کرالیا جائے تو بھی اس پر گناہ نہیں۔ آدمی جبراً کروائے جانے والے کاموں کا جواب دہ نہیں ہے۔

انسان کو عمل کی جو ذمہ داری دی گئی ہے، اس کے لیے امانت کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔فرمایا :۔ اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ الْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَ اَشْفَقْنَ مِنْهَا وَ حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۙ﴿۷۲﴾ لِّيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتِ وَ الْمُشْرِكِيْنَ وَ الْمُشْرِكٰتِ وَ يَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۷۳﴾ (الاحزاب ۳۳: ۷۲-۷۳)۔ ”بے شک ہم نے امانت پیش فرمائی آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر تو انھوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے اور آدمی نے اٹھالی۔ بے شک وہ اپنی جان کو مشقت

میں ڈالنے والا بڑا نادان ہے۔ تاکہ اللہ عذاب دے منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو اور اللہ توبہ قبول فرمائے مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کی اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے"۔ چونکہ ان میں سے کوئی بھی اپنے اعمال اور شریعت کے لیے ذمہ دار نہیں ٹھہرا، یہ سب فطرت کے لگے بندھے قانون کی پابندی کرتے ہیں۔ کوئی پتا بھی اس کی مرضی کے بغیر حرکت نہیں کرسکتا۔ البتہ انسان نیک اور بد دونوں عمل کرسکتا ہے۔ اس لیے وہ بہت بڑے اجر، یعنی جنت کا اور بہت بڑی سزا، یعنی جہنم کا مستحق ٹھہرا جو کسی اور کے حصے میں نہیں آئی۔

ایمان دراصل ایک خریدوفروخت کا معاہدہ ہے۔ عموماً امانت داری کا لفظ بولتے ہیں تو دنیا میں لین دین کا تصور ہمارے سامنے آتا ہے کہ آدمی خریدو فروخت کرے۔ اللہ نے کہا کہ ایمان تو خود خرید فروخت کا معاملہ ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَ اَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ (التوبۃ۹:۱۱۱) "بے شک اللہ نے مومنین سے ان کے جان و مال جنت کے بدلے خرید لیے ہیں"۔ اللہ کے بندے نے اپنا سب کچھ اللہ کی راہ میں اس کے ہاتھ بیچ دیا۔ جو آدمی امانت دار نہیں، وہ ایمان کو پورا نہیں کرسکتا۔

یہاں نبیؐ کی یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ جو شخص اپنی امانت کا احساس نہیں رکھتا وہ ایمان کے تقاضے بھی پورے نہیں کرسکتا۔ ایمان لانے کے بعد جان، مال، مرضی سب اللہ کا ہو چکا۔ امانت داری کا وسیع مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کو جو صفات، صلاحیتیں، استعداد، عقل، جسم ملے ہیں یہ سب کی سب اللہ کی طرف سے امانت ہیں۔ امانت اور ایمان یہ ہے کہ آدمی اس امانت کا حق ادا کرے۔ یہ بات اللہ تعالیٰ نے قرآن سے اور رسولؐ نے اپنی سنت سے سکھائی ہے۔ عَلِمہ مِنَ القُراٰن ثُم عَلم مِنَ السُّنۃ۔

اس بات کو جاننا ہر انسان کے بس کی بات نہیں تھی۔ نبی کریمؐ نے ہر

طرح کے لین دین کو، انسانوں کے درمیان جو بھی معاملہ ہو، مثلاً گفتگو، شادی بیاہ، گھریلو معاملات، تجارت وغیرہ سب کو امانت کی بنیاد پر قائم فرمایا ہے۔

دو آدمیوں کی مجلس میں جو بات ہوتی ہے تو وہ مجلس میں امانت ہے۔ گفتگو بھی امانت ہے۔ اگر کوئی آدمی اس کو بے وجہ نقل کرتا ہے تو وہ گناہ بھی کرتا ہے۔ اَلْمَجَالِسُ بِالْاَمَانَۃِ، سب مجلسیں امانت ہیں۔ کسی نے کان میں جو بات بتائی، وہ امانت ہے۔ اس کو کسی سے کہہ دینا، بددیانتی ہے۔ جس سے مشورہ لیا جائے تو وہ بھی امانت اس کے سپرد کی گئی۔ بہت بڑے بڑے معاملات جو طے ہوں وہ سب امانت ہیں۔ امانت کے معنی یہ ہیں کہ کسی کو کچھ کہتا نہ پھرے۔ اپنی دانست میں صحیح مشورہ دے۔

حجتہ الوادع کے موقع پر آپؐ نے عورتوں کے بارے میں خاص طور پر نصیحت فرمائی کہ عورتوں کا خیال رکھنا۔ تم نے ان کو اللہ سے عہد کر کے اور امانت کے طور پر اپنے گھروں کے اندر اپنی بیوی بنایا ہے۔ یہ اللہ کی طرف سے سونپی ہوئی امانت ہے۔ جن کو زیر دست کر دیا ہے، ان کے حقوق کو ادا کرنا بھی اللہ کی طرف سے امانت ہے۔ نوکری کے اندر نوکری کا حق ادا کرنا امانت ہے۔ کسی سے معاہدہ کر کے ملازم رکھ کر اس سے وقت یا کام کے لحاظ سے زیادہ کام لینا بھی اس کے منافی ہے۔

یہ ساری باتیں فقہا اور علمانے کھول کھول کر بیان کی ہیں۔ کوئی آدمی کسی چیز کو آپ کی ذمہ داری میں دے جاتا ہے، یہ بھی امانت ہے۔ کوئی بات، شخص یا انسان ہو، اس کا حق ادا کرنا بھی امانت داری ہے۔

نبی کریمؐ نے فرمایا: کہ امانت دل کی جڑوں کے اندر ہے۔ اور قرآن نے کہا کہ:۔ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَھْلِھَا (النساء۴:۵۸)۔ یعنی اللہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے اہل افراد کے سپرد کردو۔

حدیث میں بتایا گیا ہے کہ امانت دیکھتے دیکھتے غائب ہو جاتی ہے۔

احساس بھی اٹھ جاتا ہے۔ ایمان داری کا عمل بھی غائب ہو جاتا ہے، فرمایا کہ، آدمی نیند لیتا ہے اور امانت غائب ہو جاتی ہے۔ اس کے معنی یہ نہیں کہ سوتے ہوئے غائب ہو جاتی ہے بلکہ یہ معنی ہیں کہ جس طرح آدمی پلک جھپکتے بے ایمانی کرتا ہے، وہی بے ایمانی طبیعت پر غالب آجاتی ہے۔سونے کی صرف تشبیہ ہے یعنی سونے میں اسے پتہ بھی نہیں چلتا اور وہ ایسے کام کر جاتا ہے جس سے امانت ختم ہو جاتی ہے۔ بظاہر تو امانت کی بڑی باتیں ہوتی ہیں، حلف اور قسمیں اٹھائی جاتی ہیں لیکن جب امانت اٹھائی جاتی ہے تو اس کی مثال ایک چھالے اور آبلے کی طرح ہو جاتی ہے۔ ہاتھ پر جس طر ح انگارے سے چھالہ پڑتا ہے کہ اوپر کھال ہوتی ہے، ذرا انگلی لگے تو پھوٹ جاتا ہے، اندر پانی ہوتا ہے، کوئی اس کی حقیقت نہیں ہوتی۔گویا امانت داری اتنی مفقود ہو جاتی ہے کہ لوگ کہتے ہیں کہ بس دو چار آدمی ایمان دار رہ گئے ہیں۔ ان لوگوں کی خوب تعریف ہوتی ہے جن کے دل میں رائی برابر بھی ایمان نہیں ہوتا۔ فلاں آدمی بڑا ہوشیار ہے، بڑا کامیاب بزنس مین ہے، بڑا چالاک سیاست دان ہے، بڑا عقل مند ہے، اچھے اخلاق والا ہے، مسکرا کے ملتا ہے لیکن اس آدمی کا حال یہ ہے کہ اس کے اندر امانت داری نہیں ہے۔

حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ ایک زمانہ تو ایسا تھا جس سے چاہا بلا دھڑک معاملہ کر لیا کہ یہ آدمی مسلمان ہے تو اس کے اسلام پر اعتماد ہے۔غیر مسلم ہے تو نظام پر اعتماد ہے۔ اگر یہ بے ایمانی کرے گا تو قانون اس کا مداوا کرے گا۔ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ اب میں دیکھ کر ہی معاملہ کرسکتا ہوں، آنکھیں بند کیے ہوئے معاملہ نہیں کرسکتا۔ اس لیے کہ امانت اٹھنا شروع ہو گئی ہے۔ اگر آدمی پر رکھا ہوا نہ ہو اور اس کے ساتھ کوئی معاملہ کرنا ہو تو یہی خیال ہوتا ہے کہ یہ آدمی اپنی بات پر پورا نہیں اترے گا۔کوئی قرض مانگنے آتا ہے تو مجھے بھی پہلا شبہ یہ ہوتا ہے کہ واپس نہیں کرے گا۔ ہر کسی کے بارے میں یہی شبہ دل میں آتا ہے۔

حدیث میں جو بات کہی گئی ہے، یہ ہماری زندگی کے معاملات کی بنیاد ہے۔ حضورؐ نے اس کی دوسری جگہ بڑی تاکید فرمائی ہے۔ فرمایا: ”جس کے اندر امانت نہیں، اس کے اندر ایمان نہیں“۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک آدمی نے آکر آپؐ سے پوچھا کہ قیامت کب آئے گی۔ حضورؐ اس وقت کوئی بات کررہے تھے۔ آپؐ نے سوال سن لیا اور اپنی بات جاری رکھی۔ کچھ لوگوں نے کھسر پھسر شروع کی۔ انھوں نے سمجھا کہ شاید آپؐ نے بات سنی نہیں۔ کسی نے کہا کہ شاید آپؐ نے اس کو اس لائق نہیں سمجھا کہ اس کا جواب دیں۔ پھر اس کے بعد آپؐ نے اپنی بات ختم کی تو کہا کہ وہ آدمی کہاں ہے جس نے یہ سوال کیا۔ وہ آدمی کھڑا تھا۔ آپؐ نے فرمایا: ”قیامت اس وقت آئے گی جب امانتیں ضائع کردی جائیں گی“۔

اُس زمانے میں لوگ سب باتیں پوچھا کرتے تھے۔ سوال کرنے سے ہچکچاتے نہیں تھے۔ اس آدمی نے پوچھا، حضورؐ امانت ضائع ہونے کے کیا معنی ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: امانت کا ضائع ہونا یہ ہے کہ معاملات کو ان لوگوں کے سپرد کر دیا جائے جو اس کے اہل نہیں۔ دولت ان کے پاس ہو، جو اس کے برتنے کے اہل نہیں۔ علم ان کے پاس ہو، جو علم کے مطابق کام کرنے کے اہل نہیں۔ سیاست ان کے پاس ہو، جو اس کے مطابق حکومت کرنے کے اہل نہ ہوں۔ معاملات ان کے ہاتھ میں ہوں، جو معاملات کو چلانے کے اہل نہیں۔ تعلیم کا معاملہ ان کے ہاتھ میں ہو، جو تعلیم کا حق ادا کرنے کے اہل نہ ہوں۔ جب معاملات دین اور دنیا ان کے سپرد کیے جائیں جو اس کے اہل نہ ہوں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ امانت ضائع ہو گئی۔ جب امانت ضائع ہو جائے تو سمجھو کہ قیامت قریب ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ جب قیامت کے روز سب لوگ جمع ہو جائیں گے تو مختلف پیغمبروں کے پاس جاکر شفاعت کی درخواست کریں گے۔

پھر رسولؐ اللہ کے پاس آئیں گے۔ حضورؐ اکرم کو اجازت دی جائے گی کہ آپؐ کھڑے ہوکر بات کریں۔ جب حضورؐ کھڑے ہو جائے گے تو جنت کے راستے پر دو چیزیں کھڑی ہوجائیں گی۔ ایک رحم اور دوسری امانت داری۔ رحم کے معنی قرابت داری کو نبھانا ہے۔ اس کے بعد کوئی بجلی کی تیزی سے اور کوئی ہوا کی تیزی سے گزر جاے گا، کوئی چلتا ہوا جائے گا اور کوئی لڑ کھڑاتا ہوا جائے گا۔ ان سب کو جو چیزیں روکنے والی ہو ں گی، وہ امانت اور صلہ رحمی ہوگی۔ بعض لوگوں کو ان کے اعمال عاجز کر دیں گے، وہ چل نہیں سکیں گے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ چیز جنت کے راستے پر سب سے زیادہ معاون بھی ہوگی اور رکاوٹ بھی بن سکتی ہے۔

آپؐ نے فرمایا :ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ صرف نماز رہ جائے گی، امانت رخصت ہو جائے گی۔ یہ میری امت کی گراوٹ اور زوال کا وقت ہوگا۔ اصل چیز تو امانت داری ہے : اللہ نے جو جسم دیا ہے، جو صلاحیت دی ہے، اس کو اللہ کے حکم کے مطابق استعمال کرنا، حقوق اللہ اور حقوق العباد پورے کرنا۔

حضورؐ کی نبوت کی ایک ہی سب سے بڑی سند ہے اور وہ یہ کہ آپؐ امین تھے۔ جبرئیلؑ نے قرآن کو بالکل ویسا ہی اللہ کے حکم کے مطابق اتارا تو اللہ نے امین کا لفظ استعمال کیا۔رسول امین (امانت دار لانے والے تھے، امانت دار پہنچانے والے تھے)۔ امانت کے بغیر تو قومی زندگی، خاندانی زندگی کوئی بھی صحیح طور پر قائم نہیں ہوسکتی۔

❀❀❀

جس حدیث کا مطالعہ کیا گیا ہے،اس کا اردو ترجمہ درج ذیل ہے:

حضرت حذیفہ بن ایمان رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو باتیں بیان فرمائیں، ان میں سے ایک کو دیکھ چکا ہوں اور دوسری کا منتظر ہوں۔آپؐ نے فرمایا:

"امانت لوگوں کے دلوں کی جڑمیں اتری۔ پھر قرآن مجید نازل ہوا۔ پس لوگوں نے امانت کو قرآن مجید اور سنت سے پہچان لیا"۔ پھر آپؐ نے ہمیں امانت کے اٹھ جانے کے متعلق بیان فرمایا کہ آدمی سوئے گا اور امانت اس کے دل سے قبض کر لی جائے گی۔ پھر اس کا اثر ایک معمولی نشان کی طرح باقی رہ جائے گا۔ پھر وہ سوئے گا اور امانت اس کے دل سے اٹھالی جائے گی۔ پس اس کا اثر آبلے کی طرح باقی رہ جائے گا۔ جیسے تم ایک انگارے کو اپنے پاؤں پر لڑھکاؤ تو اس پر آبلہ نمودار ہو جائے۔ پس تم اسے ابھر ہوا تو دیکھتے ہو مگر اس میں کوئی چیز نہیں ہوتی۔ پھر آپؐ نے ایک کنکری لی اور اسے پاؤں پر لڑھکایا۔ پس لوگ اس طرح ہو جائیں گے کہ آپس میں خرید و فروخت کرتے ہوں گے مگر ان میں کوئی امانت ادا کرنے کے قریب بھی نہ بھٹکے گا۔ یہاں تک کہا جائے گا کہ فلاں لوگوں میں ایک امانت دار آدمی ہے۔ یہاں تک آدمی کو کہا جائے گا کہ یہ کتنا مضبوط، ہوشیار اور عقل مند ہے۔ حالانکہ اس کے دل میں ایک رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہ ہوگا۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ پر ایک ایسا زمانہ بھی گزرا کہ میں پرواہ نہ کرتا تھا کہ مجھ سے کس نے خرید و فروخت کی بشرطیکہ وہ مسلمان ہوتا۔ اس لیے کہ اس کا دین مجھ پر میری چیز کو ضرور واپس کردے گا اور اگر وہ یہودی یا عسائی ہوتا تو اس کا کارندہ مجھ پہ میری چیز کو ضرور واپس کردے گا۔ مگر آج کل تو میں صرف فلاں فلاں سے ہی خرید وفروخت کا معاملہ کرتا ہوں۔(متفق علیہ)

❀❀❀